بچّوں کے

رنگا رنگ خسروؒ

اسلم فرخی

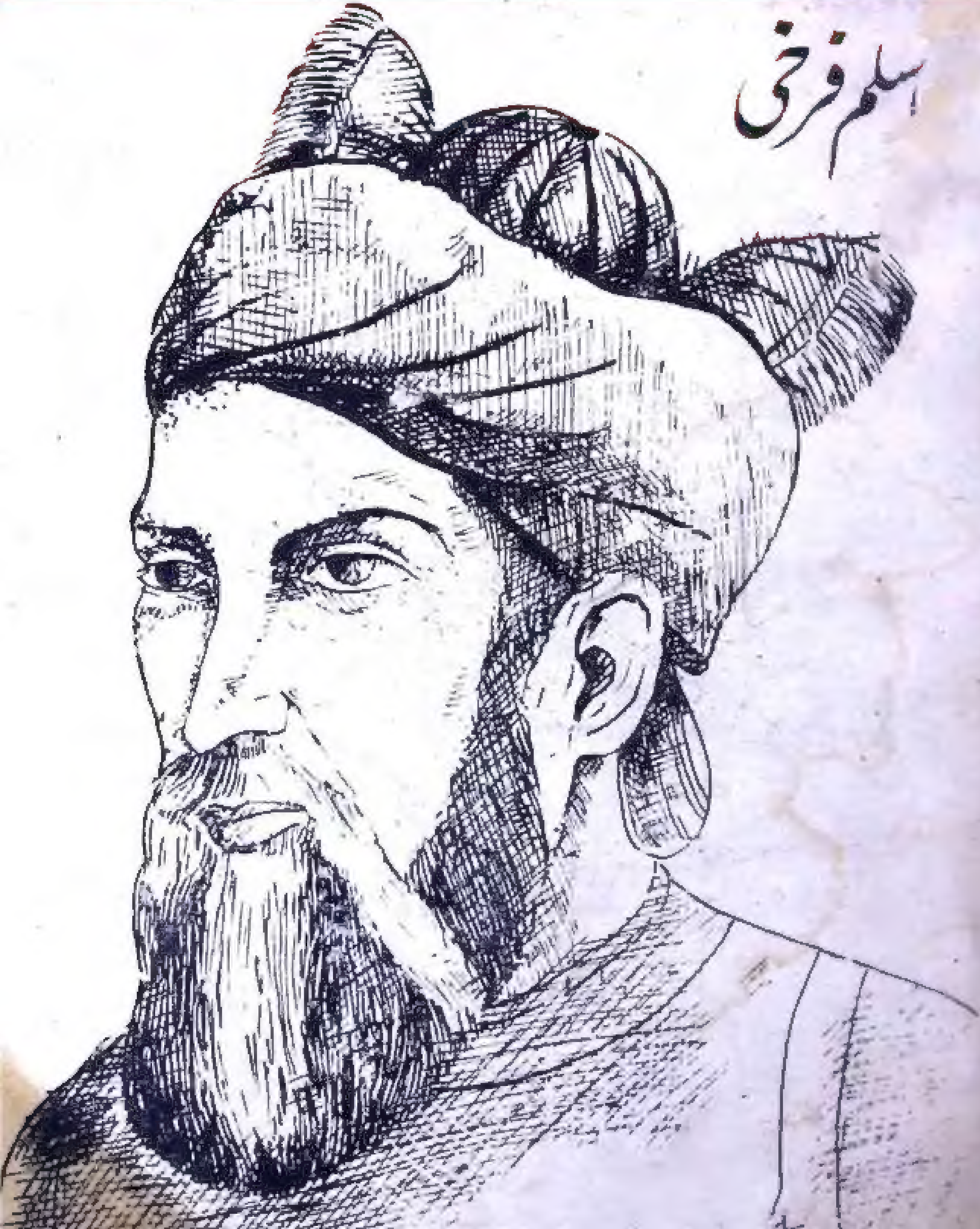

رنگا رنگ خسروؒ

(امیر خسروؒ کے حالات ۔ بچّوں کے لیے)

ڈاکٹر اسلم فرخی

مکتبہ پیامِ تعلیم ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی ۲۵

© ڈاکٹر اسلم فرخی

RANGA RANG KHUSRAU
BY ASLAM FARRUKHI
RS.

تقسیم کار

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی 110006
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202002

پہلی بار اکتوبر ۱۹۹۲ء   تعداد 1000   قیمت =/ 4

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج۔ نئی دہلی ۲ میں طبع ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ بات آج سے کوئی ساڑھے سات سو برس پہلے کی ہے۔

استاد نے چلتے وقت مکتب کے کچھ بچّوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ مقصد یہ تھا کہ بچّے مسجد سے باہر نکلیں۔ پڑھنے لکھنے والے لوگوں سے ملیں۔ بات چیت کریں۔ کچھ سیکھیں۔ کچھ لیاقت بڑھے۔ جن صاحب کے یہاں جانا تھا وہاں پہنچے۔ اتّفاق سے وہاں ایک عالم خواجہ عزیز الدین بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ استاد نے بچّوں کو خواجہ عزیز الدین سے ملوایا۔ خواجہ نے بچّوں سے ان کی پڑھائی لکھائی کے بارے میں پوچھا۔ دو چار سوال کیے۔ شاباشی دی۔ استاد نے سات آٹھ برس کے ایک لڑکے کو خواجہ سے خاص طور پر ملوایا۔ کہا۔ "بڑا ذہین اور ہونہار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال کی آواز دی ہے۔ شعر ایسے پڑھتا ہے کہ سننے والا جھوم اٹھتا ہے۔" خواجہ عزیز کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی وہ انھوں نے لڑکے کو دی اور کہا "ہاں میاں، اس میں سے

کچھ شعر سناؤ۔ لڑکے نے کتاب لے لی اور کچھ شعر ایسی عمدہ آواز سے پڑھے کہ سماں بندھ گیا۔ سب لوگ عش عش کرنے لگے۔ خواجہ عزیز بہت خوش ہوئے۔

استاد کہنے لگے ”خواجہ صاحب یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اس لڑکے کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت دی ہے کہ یہ ابھی سے خود شعر بھی کہتا ہے۔“ خواجہ عزیز نے حیرت سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ اُستاد نے کہا ”آپ اس کا امتحان لیجیے۔ اس کی قابلیت ابھی ظاہر ہو جائے گی۔“

خواجہ صاحب نے کہا ”میاں لڑکے۔ میں چار چیزوں کے نام لیتا ہوں۔ تم ان پر کوئی شعر کہو۔ لڑکے نے کہا۔ ”جی فرمایئے“ خواجہ عزیز نے چار اَن مِل بے جوڑ چیزوں کے نام لیے۔ مُو (بال)، بیضہ (انڈا)، تیر اور خربزہ (خربوزہ) لڑکے نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر جھٹ سے دو شعر پڑھ دیے جن میں ان چاروں اَن مِل بے جوڑ چیزوں کو بڑی ہوشیاری سے جمع کر دیا گیا تھا۔ خواجہ عزیز اور دوسرے لوگوں نے یہ شعر سُنے تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ سات آٹھ برس کا بچّہ اور ایسے شعر۔ ایسے عمدہ شعر اتنی تیزی کے ساتھ اچھّے اچھّے شاعر نہیں کہہ سکتے۔ کہاں کہ وہ بچّہ جس کے دودھ کے دانت بھی پوری طرح نہ ٹوٹے ہوں یہ کمال کر دکھلائے سب نے بے اختیار۔ لڑکے کو دعائیں دیں۔

اس لڑکے کا نام خسرو تھا۔ خسرو ایک تُرک امیر لاچین کے بیٹے تھے۔ اتر پردیش کے صوبے میں دریائے گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے پٹیالی۔ وہاں پیدا ہوئے۔ ذہین اور

ہونہار تھے۔ پڑھتے بھی رہے۔ شعر بھی کہتے رہے۔ آٹھ برس کے ہوئے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ یتیم ہو گئے۔ بہت رنج ہوا۔ ماں کے ساتھ اپنے نانا کے پاس دلّی آ گئے دلّی شاہی شہر اور حکومت کا صدر مقام تھا۔

خسرو کے نانا شاہی امیر تھے۔ درباری عہدے دار تھے انھوں نے یتیم نواسے کی تعلیم کا انتظام کیا۔ باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ خسرو بڑے ذہین اور تیز تھے۔ جلد ہی سارے شہر میں ان کی شاعری کا شُہرا ہو گیا۔ امیروں کی محفلوں میں بُلائے جانے لگے۔ لوگ ان کے شعر سنتے اور سر دُھنتے سب کو تعجّب ہوتا کہ نوجوان ہیں مگر ایسے عمدہ شعر کہتے ہیں۔

خسرو نے اُس زمانے کے رواج کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ شاعری سے دل چسپی تھی اس وجہ سے سارے مشہور شاعروں کا کلام بڑے غور سے پڑھا۔ پڑھا کیا گھول کر پی گئے۔ ایک ایک لفظ پر غور کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں شاعری کی غیر معمولی صلاحیت دی تھی۔ مطالعے اور محنت سے یہ صلاحیت بہت چمک گئی۔ کتابی علم کے ساتھ ساتھ خسرو نے سپہ گری کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اُس زمانے میں آج کل کی طرح یہ دستور نہیں تھا کہ جو لکھنے پڑھنے کا کام جانتا ہے وہ لکھنے پڑھنے کا ہی کام کرے گا۔ جس نے فوجی تربیت حاصل کی ہے وہی فوجی بنے گا۔ جو انتظام کا ماہر ہے وہ انتظام سنبھالے گا۔ اس زمانے کے امیر اُمرا سب کام کرتے تھے۔ لکھتے پڑھتے بھی تھے۔ سپہ گری بھی کرتے تھے۔ فوجیں لے کر میدانِ جنگ میں بھی جاتے تھے۔ دشمنوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ علاقوں کا انتظام

سنبھالتے تھے۔ انھیں ہر فن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ گھوڑ سواری سکھائی جاتی۔ شعر و شاعری سمجھنے کی تعلیم بھی دی جاتی۔ دینی تعلیم بھی ہوتی — غرض کسی کام میں بند نہیں ہوتے تھے۔ خسرو بھی امیر زادے تھے۔ باپ سردار۔ نانا شاہی عہدے دار اس وجہ سے گھوڑ سواری بھی سیکھی۔ سپہ گری بھی سیکھی اور شعر و شاعری تو ان کا اصلی میدان تھا ہی۔

جب تک نانا زندہ رہے۔ خسرو بے فکری سے زندگی گزارتے رہے۔ شعر کہہ رہے ہیں۔ شاعروں کی محفلوں میں بیٹھ رہے ہیں۔ امیروں کی مجلسوں میں شریک ہو رہے ہیں مگر جب ان کی عمر بیس برس کی ہوئی تو ان کے نانا بھی چل بسے۔ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ ایک سو تیرہ برس کی عمر ہو گئی تھی اب خسرو کا کوئی سر دھرا نہ رہا۔ ابھی تک کھانے پکانے سے بے فکری تھی۔ اب یہ فکر ہوئی۔ کچھ کرنا چاہیے۔ یہ بلبن بادشاہ کا زمانہ تھا۔ اتفاق یہ کہ بلبن کا بھتیجا ملک چھجو شعر و شاعری کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے نوجوان خسرو کو ہاتھوں ہاتھ لیا خسرو ملازم تو سواروں میں ہوئے تھے مگر ان کی شاعری نے انھیں ملک چھجّو کی محفل میں لا بٹھایا۔ وہ دو برس تک ملک چھجّو کے یہاں رہے۔ بڑے آرام سے رہے۔ ملک چھجّو اُن پر بڑا مہربان رہا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ملک چھجّو کا چچا زاد بھائی شہزادہ بغرا خاں اس کی محفل میں آیا۔ شہزادے کے ساتھ اس کے اپنے شاعر تھے مگر خسرو نے اپنے شعر ایسے زور شور سے سنائے اور سارے سننے والے ایسے محو ہوئے کہ بغرا خاں کے شاعروں

کے پڑھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ بغرا خاں نے خوش ہوکر لگن بھر روپے خسرو کو دیے۔ خسرو نے یہ انعام لے لیا۔ خسرو نے انعام لے لیا مگر یہ بات ملک چھجو کو بہت بُری لگی کہ ملازم ہمارا اور انعام لے کسی اور سے۔ خسرو بھی سمجھ گئے مگر کر کیا سکتے تھے۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اپنی طرف سے سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر ملک چھجو کا دل صاف نہ ہوا۔ خسرو نے سوچا یہ ناراض ہوگیا ہے۔ خدا نخواستہ کوئی تکلیف نہ پہنچائے یہ سوچ کر بغرا خاں کے پاس چلے گئے۔ اس نے خوش ہوکر رکھ لیا۔ کچھ دن کے بعد بغرا خاں کو اپنے باپ بادشاہ بلبن کے ساتھ بنگال جانا پڑا۔ خسرو بھی شہزادے کے ملازم تھے وہ بھی بنگال گئے۔ بڑا تکلیف دہ سفر تھا۔ اوّل تو دلّی سے بنگال جانا۔ دور دراز کا علاقہ۔ پھر برسات کا موسم شروع ہوگیا۔ شاہی فوجیں ایک باغی سردار کا پیچھا کر رہی تھیں۔ بادشاہ، سارے سردار۔ لشکر بڑی تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتے خدا خدا کرکے وہ باغی سردار مارا گیا۔ لشکر نے سکھ کی سانس لی۔ بلبن نے بغرا خاں کو بنگال کا حاکم بنا دیا۔ خود دلّی واپس آگیا۔ خسرو کو اس سفر میں بڑی پریشانیاں ہوئیں۔ کہاں دلّی کا سکون آرام۔ کہاں لشکر کے ساتھ مارے مارے پھرنا۔ ویسے بھی بنگال میں ان کا دل نہیں لگا کچھ خوش نہیں رہے۔ بغرا خاں انھیں روکنا چاہتا تھا۔ بہت کہا مگر خسرو بادشاہی فوج کے ساتھ دلّی واپس آگئے۔

اب پھر وہی سوال۔ کیا کریں۔ بغرا خاں بنگال میں رہ گیا۔ اتفاق یہ کہ بلبن کا بڑا بیٹا شہزادہ قاآن محمد باپ

کے استقبال کے لیے ملتان سے دلّی آیا۔ وہ ملتان کا حاکم تھا۔ بڑا عقل مند۔ ہوشیار اور بہادر شہزادہ تھا۔ اس کے دربار میں بہت سے اچھّے اچھّے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ شہزادے نے خسرو کو ملتان چلنے کی دعوت دی۔ انھوں نے دعوت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ ملتان چلے گئے۔

ملتان اس زمانے میں بڑا شہر تھا۔ علم اور فن کا مرکز تھا وسط ایشیا اور ایران سے آنے والے قافلے اسی شہر سے گزر کر دلّی اور دوسرے شہروں میں جاتے تھے۔ اس زمانے میں ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ وسط ایشیا سے آنے والے تاتاری برابر حملے کرتے رہتے تھے۔ ملتان ان حملوں کو روکنے کے لیے ایک بڑی فوجی چھاؤنی بن گیا تھا۔ شاہی فوجیں یہاں رہتی تھیں۔ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ تاتاری جب بھی حملہ کرتے اور ملتان کے قریب آجاتے تو شاہی فوجیں ان کا مقابلہ کرتیں ملتان میں ہمیشہ ایسے سردار کو حاکم بنایا جاتا جو بہادر اور ذمّے دار ہو۔ دشمن کا بہادری سے مقابلہ کرے اور اُسے بھاگنے پر مجبور کرے۔ شہزادہ محمد میں یہ سب خوبیاں تھیں بلبن کو اُس پر بہت بھروسا تھا۔ اس وجہ سے اُسے ایسی اہم جگہ کا حاکم بنایا تھا۔ آدمی بھی بہت اچھّا تھا۔ پڑھے لکھوں کا قدر دان۔ ہمدرد۔ سخی۔

خسرو ملتان میں پانچ برس رہے۔ بڑے خوش رہے شہزادہ محمد اُن کا بڑا خیال کرتا تھا۔ یہاں دن رات شعرو شاعری کا چرچا رہتا۔ ایک اور شاعر امیر حسن سنجری بھی شہزادے کے دربار میں تھے۔ ان کی وجہ سے بھی وقت اچھّا

گزر رہا تھا مگر وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔ خسرو کو ملتان میں رہتے ہوئے پانچ برس ہو گئے تھے کہ وہاں کی محفل ہی اُجڑ گئی۔

ہوا یہ کہ تاتاریوں نے حسبِ معمول حملہ کیا۔ شہزادہ محمد نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ حملے کا مُنہ توڑ جواب دیا۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ تاتاری مقابلہ نہ کر سکے۔ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شہزادے کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔ فوج تتر بتر ہو گئی۔ پیچھا کرتے میں بکھر گئی شہزادہ تھوڑے سے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ بھگوڑے تاتاریوں نے یہ دیکھا تو پلٹ پڑے۔ بڑا سخت حملہ کیا۔ ایک تیر شہزادے کے ایسا لگا کہ گر گیا اور ختم ہو گیا۔ جیت ہار میں بدل گئی۔ تاتاریوں نے شہزادے کی فوج کے بہت سے آدمیوں کو بھی پکڑ لیا اور انھیں اپنے ساتھ لے گئی۔

ایک تاتاری نے خسرو کو بھی پکڑ لیا۔ گھوڑے کے ساتھ باندھا۔ گھوڑا دوڑتا ہوا چل دیا۔ خسرو گھوڑے کے ساتھ گھسٹتے رہے۔ گرمی کا موسم۔ زمین انگارا۔ آسمان سے زمین تک آگ برستی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ زبان تالو سے باہر نکلی پڑ رہی تھی۔ خسرو کا سارا بدن چھل گیا۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ بہت سے چھالے پھوٹ بہے۔ بری حالت ہو گئی۔ دور تک بیابان ہی بیابان۔ گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے خسرو بھی اس کے ساتھ کھنچے جا رہے ہیں۔ دور سے پانی کا ایک چشمہ نظر پڑا۔ تاتاری نے گھوڑا بڑھایا۔ چشمے کے قریب

پہنچ کر گھوڑے کو روکا۔ وہ بھی گرمی سے بے حال تھا۔ گھوڑا بھی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ تاتاری گھوڑے سے کود پڑا۔ دوڑ کر چشمے تک گیا اور پانی میں منہ لگا دیا۔ گھوڑا بھی ہانپتا کانپتا چشمے پر پہنچ گیا۔ سوار اور گھوڑے دونوں نے ڈگڈگا کر پانی پیا۔ پیتے ہی چلے گئے۔ خسرو دور کھڑے دیکھتے رہے۔ ان کے حلق میں بھی کانٹے پڑ رہے تھے مگر انھوں نے صبر سے کام لیا۔ فوراً ہی پانی پر ٹوٹ نہیں پڑے۔ سخت گرمی اور شدّت کی پیاس میں دور سے چل کر آؤ اور بے تحاشا پانی پی لو تو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہی ہوا۔ سوار اور گھوڑا دونوں بے انتہا پیاسے تھے۔ مارا مار چلے آرہے تھے۔ بے تحاشا پانی پیا تو دونوں بے حال ہوکر گر پڑے۔ دونوں کا کام تمام ہوگیا۔ خسرو نے اللّٰہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ قید سے چھوٹے۔ جان بچ گئی۔ بہت ممکن تھا کہ وہ تاتاری انھیں غلام بنا لیتا۔ کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتا۔ آدمیوں کی خرید فروخت اس زمانے میں عام تھی۔ نجانے کیا ہوجاتا مگر اللّٰہ تعالیٰ کا فضل ہوا۔ خسرو ایک بار پھر دلّی پہنچ گئے۔

خسرو دلّی پہنچ تو گئے مگر یہ رنج تھا کہ شہزادہ محمّد جیسا قدر دان رخصت ہوگیا۔ انھوں نے شہزادے کی یاد میں مرثیے لکھے۔ (مرثیہ اس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کے مرنے یا کسی قومی سانحے پر افسوس کیا جائے) شہزادہ محمد ان کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کے اچانک مر جانے سے خسرو کے دل پر بڑی چوٹ لگی تھی۔

اس وجہ سے ان کے لکھے ہوئے مرثیے اتنے دردناک تھے کہ جس نے بھی سُنے دل پکڑ کر رہ گیا۔ انھیں پڑھنے سے شہزادے کی ناگہانی موت، اس کی بہادری اور بڑائی کا نقشا آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور دل پر بڑا اثر ہوتا ہے

پھر وہی دلّی اور وہی خسرو۔ کچھ دن جان چھڑکنے والی ماں کے سایے میں گزارے۔ کچھ دن پٹیالی میں رہے۔ عزیز پیاروں سے ملے۔ مگر دل پر اتنا اثر تھا کہ کسی کی ملازمت نہیں کی مگر کب تک بیکار رہتے۔ آخرکار اودھ کے حاکم حاتم خاں کے دربار میں ملازم ہو گئے۔ حاتم خاں ان پر بڑا مہربان تھا۔ دو برس اس کے ساتھ بڑے آرام سے گزرے پھر دلّی آ گئے۔

دلّی میں انقلاب آ چکا تھا۔ پُرانا، حوصلہ مند اور مضبوط ارادے والا بادشاہ بلبن مر چکا تھا۔ شہزادہ محمّد کی ناگہانی موت سے اُسے بڑا صدمہ ہوا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شہزادہ اس کے بعد تخت و تاج سنبھالے گا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا۔ بلبن نے بُغرا خاں کو بنگال سے بلوایا اور اس سے حکومت کی ذمّے داریاں سنبھالنے کے لیے کہا مگر بغرا خاں کو بنگال کا علاقہ ایسا پسند آ گیا تھا کہ وہ باپ سے چھُپ، چپ چاپ بنگال چلا گیا۔ بلبن مر گیا تو اُس کے وزیروں۔ امیروں نے اس کے پوتے کیقباد کو جو بغرا خاں کا بیٹا تھا بادشاہ بنا دیا۔

کیقباد نوجوان شہزادہ تھا۔ کچھ دن ٹھیک ٹھاک کام کرتا رہا۔ پھر سلطنت کا نشہ دماغ میں چڑھ گیا۔ عیش میں پڑ

کر حکومت سے غافل ہوگیا۔ باپ نے یہ سنا تو بنگال سے نصیحت کا خط بھیجا۔ پھر بیٹے کو سمجھانے کے لیے چل کھڑا ہوا۔ سوچا کہ خود سمجھانے کی بات اور ہوتی ہے۔ شاید سمجھانے بجھانے سے عقل آجائے۔ ادھر بیٹے کو اس کے خوشامدی مصاحبوں نے یہ پٹی پڑھائی کہ تمھارے باپ کو تخت کی ہوس ہے سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ کیقباد بھی لشکر لے کر روانہ ہوا۔ دونوں کی فوجیں آمنے سامنے آگئیں مگر لڑائی نہیں ہوئی۔ باپ بیٹے میں ملاقات ہوئی۔ باپ نے بڑی شفقت سے بیٹے کو سمجھایا۔ نصیحت کی۔ سلطنت کی اونچ نیچ سمجھائی۔ بیٹے نے باپ کی بات کان دھر کر سنی۔ وعدہ کیا کہ سلطنت کے کاموں میں دل لگائے گا۔ بغرا خاں بیٹے کو سمجھا بجھا کر بنگال لوٹ گیا۔ کیقباد دلی واپس ہوا۔ کچھ دن باپ کی نصیحت کا اثر رہا۔ پھر وہی رفتار بے ڈھنگی۔ وہی راگ رنگ، عیش وعشرت کی زندگی پھر شروع ہوگئی۔

خسرو دلّی پہنچے تو کیقباد نے انھیں اپنے دربار میں بلایا فرمائش کی کہ باپ بیٹے کی ملاقات کا حال نظم میں لکھا جائے خسرو نے یہ ذمے داری قبول کرلی۔ چھے مہینے میں ایک مثنوی لکھ دی۔ (مثنوی اس لمبی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کوئی قصّہ۔ کہانی یا تاریخی واقعہ بیان کرتا ہے) انھوں نے اس مثنوی کا نام ,,قران السعدین،، رکھا۔ قران السعدین کے معنی ہیں دو اچھے ستاروں کا ایک دوسرے کے قریب آجانا۔ جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو اس وقت کو شبھ گھڑی اور شبھ لگن کہتے ہیں۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ جو بچے اس وقت پیدا

ہوتے ہیں وہ بڑے بھاگوان ہوتے ہیں۔ ان بچوں کو صاحب قران کہتے ہیں۔ تیمور اور شاہ جہاں اسی وجہ سے صاحبِ قران کہلاتے تھے۔

قران السعدین خسرو کی پہلی مثنوی تھی جس وقت انھوں نے یہ مثنوی لکھی ہے تو وہ چھتیس برس کے جوان تھے مگر کم عمر ہونے کے باوجود مثنوی ایسی لکھ دی جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ بڑا مشکل کام تھا۔ باپ کی بزرگی بھی قائم رکھنی۔ ناتجربہ کار ضدّی بادشاہ بیٹے کی ضد اور ہیکڑی کا خیال بھی رکھنا۔ نہ باپ کی ہیٹی ہو نہ بیٹے کی کمزوری ظاہر ہو۔ ہر طرح مشکل تھی مگر خسرو تو خسرو تھے۔ کمال کی مثنوی لکھ دی۔ کیقباد بھی خوش ہوگیا اور پڑھنے والے آج بھی مزے لے کر پڑھتے ہیں۔

عیش و عشرت کا نتیجہ خراب ہوتا ہے۔ کیقباد کا انجام بھی بڑا خراب ہوا۔ ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے کوئی امید نہیں رہی۔ آخر ختم ہوگیا۔ امیروں نے اُس کے ایک بہت چھوٹے بیٹے کو بادشاہ بنایا مگر کام نہیں چل سکا۔ آخر کار ایک ترک سردار جلال الدین خلجی کو بادشاہ بنایا گیا۔ جلال نے انتظام سنبھال لیا۔

جلال خود شاعر تھا۔ شعر و شاعری سے دل چسپی رکھتا تھا خسرو اس کے دربار میں بہت خوش رہے۔ اب وہ امیر خسرو تھے۔ بادشاہ کے مصاحب تھے۔ مصحف دار کا عہدہ حاصل تھا جس عہدے دار کے پاس شاہی قرآن شریف رہتا تھا اسے مصحف دار کہتے تھے، وقت اچھا گزرا۔ خوب

غزلیں لکھیں۔ شاعری نے بڑی ترقّی کی۔ بڑا نام ہُوا۔ جلال ان پر بڑا اعتبار کرتا تھا۔ امیر خسرو نے ایک مثنوی اس کی چار لڑائیوں کے بارے میں لکھی ہے۔ جلال نے ایک سال میں چار لڑائیوں میں کامیابی حاصل کی تھی۔ امیر نے ان کامیابیوں پر ایک مثنوی لکھ دی۔ مفتاح الفتوح نام رکھا (مفتاح الفتوح یعنی کامیابیوں کی کنجی) تاریخ کے اعتبار سے یہ مثنوی بھی عمدہ ہے۔ چاروں لڑائیوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ لکھنے والے اور تاریخ پڑھنے والے ایسی کتابوں سے تاریخی واقعات کے حوالے نکال لیتے ہیں اور تاریخیں لکھتے ہیں۔ ایسی کتابوں سے اس زمانے کا صحیح حال بھی معلوم ہوتا ہے۔

تاریخ کے ورق بڑی تیزی سے پلٹ رہے تھے۔ جلال الدین، خلجی کے بعد علاء الدین بادشاہ ہوا۔ علاء الدین برّصغیر کے بڑے نامور بادشاہوں میں گنا جاتا ہے۔ مزاج کا بڑا سخت بہت ہوشیار۔ بہادر اور بہت اچھا انتظام کرنے والا۔ اس نے برّصغیر کے دکنی علاقے کا بڑا حصّہ فتح کر لیا تھا۔ اُتّر سے دکّن اور پورب سے پچھّم تک اس کی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ علاء الدین نے اکیس برس حکومت کی۔ امیر خسرو اس کے درباری بھی تھے۔ علاء الدین کے دربار میں بڑے بڑے عالم، بڑے بڑے شاعر، بڑے بڑے سردار موجود تھے اس نے امیر کی بڑی قدر دانی کی۔ امیر کو اس کے عہد میں لکھنے پڑھنے کا خوب موقع ملا۔ خوب شعر کہے۔ غزلیں لکھیں، مثنویاں لکھیں۔ قصیدے لکھے۔ (کسی کی تعریف میں جو نظم لکھی جائے اسے قصیدہ کہتے ہیں) علاء الدین نے جو کامیابیاں حاصل

کی تھیں۔ جو علاقے فتح کیے تھے۔ امن اور سلامتی پھیلانے کے لیے ملک میں جو انتظام کیے تھے۔ جو عمارتیں بنوائی تھیں ان سب کا حال ایک نثر کی کتاب میں لکھا۔ خزائن الفتوح (فتح کے خزانے) نام رکھا۔ یہ علاء الدین کے زمانے کی تاریخ ہے۔ سارا حال معلوم ہوتا ہے۔ کہاں کہاں گیا۔ کن علاقوں میں گیا۔ تاتاریوں سے کیسی جنگیں ہوئیں۔ دکن کس طرح فتح ہوا۔ خسرو نے سب کچھ لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی تیز نظر دی تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ اور سمجھ لیتے تھے، جو دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے نہ سمجھ سکتے تھے اور پھر ہر واقعے کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ پوری تصویر آنکھوں میں پھر جاتی تھی۔ یہ کمال ان کی نثر میں بھی تھا اور نظم میں بھی۔ بڑا شاعر جب نثر لکھتا ہے تو نثر میں بھی شعر کی سی شان پیدا کر دیتا ہے، خسرو کی نثر میں بھی شعر کا سا لطف آتا ہے جو لوگ علاء الدین کے حالات اور اس کے کارناموں کا صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہیں وہ خزائن الفتوح ضرور پڑھتے ہیں۔

خسرو سے تقریباً سو برس پہلے فارسی کے ایک بڑے مشہور شاعر گزرے تھے۔ نظامی۔ بڑا نام تھا۔ بڑے ادب سے ان کا ذکر ہوتا تھا۔ انھوں نے پانچ مثنویاں ایسی لکھی تھیں کہ ایران۔ توران اور برصغیر میں ان کی دھوم تھی۔ ان پانچوں مثنویوں کو خمسہ اور پنج گنج کہتے ہیں (خمسہ، پانچ۔ پنج گنج۔ پانچ خزانے) خسرو کا جی چاہا کہ وہ بھی نظامی کی طرح پانچ مثنویاں لکھیں۔ بڑا مشکل کام تھا۔ ایک تو یہ

کہ نظامی صرف شاعر تھے۔ شعر کہتے تھے۔ دربار دار نہیں تھے۔ بادشاہوں کے ساتھ مارے مارے نہیں پھرتے تھے وہ دن بھر دربار میں کھڑے نہیں رہتے تھے نہ آئے دن کی بادشاہی فرمائشوں پر شعر کہتے تھے۔ سارا وقت شعر کہنے میں گزارتے تھے۔ خسرو دن رات دربار کی الجھنوں میں گرفتار رہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں شعر کہنے کی جو صلاحیت دی تھی وہ بڑی زبردست تھی۔

آخرکار خسرو نے نظامی کے خمسے کا جواب لکھنے کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے مثنوی مطلع الانوار لکھی (مطلع الانوار روشنی پھیلنے کی جگہ)، اس مثنوی میں تین ہزار تین سو دس شعر ہیں۔ کمال یہ کہ اتنے بہت سے شعر صرف پندرہ دن میں لکھ دیے۔ پندرہ دن کا مطلب ہوا کوئی دو سو بیس شعر روزانہ۔ کتنے تعجب کی بات ہے۔ اس مثنوی میں اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

دوسری مثنوی خسرو شیریں لکھی اس میں چار ہزار شعر ہیں۔ اس میں بادشاہ خسرو اور اس کی ملکہ شیریں کا قصہ بیان ہوا ہے۔ پھر ڈھائی ہزار شعر کی ''لیلیٰ مجنوں'' لکھی۔ اس میں لیلیٰ مجنوں کی داستان ہے۔ چوتھی مثنوی ''آئینہ سکندری'' ہے یہ ساڑھے چار ہزار شعروں کی مثنوی ہے۔ مشہور بادشاہ سکندر کے کارنامے بیان ہوئے ہیں پانچویں اور آخری مثنوی ''ہشت بہشت'' میں لگ بھگ ساڑھے تین ہزار شعر ہیں۔ اس میں بہرام گور بادشاہ کی داستان ہے۔ خسرو نے پانچوں مثنویاں تین برس میں لکھ

دیں۔ اتنے کم وقت میں ایسی اچھی مثنویاں لکھ دینا امیر خسرو کا ایسا کمال ہے جو رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ ان مثنویوں کی بڑی قدر ہوئی۔ بہت پسند کی گئیں۔ علاءالدین کے دربار میں پیش ہوئیں۔ اس نے خوش ہوکر خسرو کو انعام بھی دیے مگر سب سے بڑا انعام وہ بڑائی تھی جو خسرو کو حاصل ہوئی۔ ہر طرف ان کا نام ہوگیا۔ یہ پانچوں مثنویاں آج بھی بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ علاءالدین کی حکومت کے آخری زمانے میں خسرو نے ایک مثنوی "خضر خاں دیول دیوی" بھی لکھی تھی۔ اس میں علاءالدین کے بڑے بیٹے خضر خاں کے کچھ واقعے لکھے ہیں۔

خسرو شاہی دربار میں ملازم ہوئے تو پھر زندگی بھر شاہی دربار میں رہے۔ علاءالدین مر گیا تو اس کے بیٹے قطب الدین مبارک شاہ کے ملازم رہے۔ قطب الدین کے نام پر انھوں نے مثنوی نہ سپہر لکھی (نہ سپہر۔ نو آسمان) یہ بھی تاریخی مثنوی ہے جس میں مبارک شاہ کے کارنامے بیان ہوئے ہیں۔ مبارک شاہ کے کارنامے اپنی جگہ۔ اس مثنوی میں خسرو نے ایک اور کمال دکھایا ہے انھوں نے اس کتاب کے نو حصّے کیے ہیں۔ ہر حصّے کو ایک آسمان فرض کیا ہے۔ تیسرے آسمان یا تیسرے حصّے میں خسرو نے ہندستان کا حال لکھا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا کتنی عمدہ ہے۔ پھول کون کون سے ہیں۔ کیسے خوب صورت ہوتے ہیں۔ ان کی خوشبو کیسی عمدہ ہوتی ہے۔ چڑیوں کا حال لکھا ہے کس طرح چہچہاتی ہیں۔ کیسی رنگین اور خوش نما ہوتی ہیں۔ جانور

کیا کیا ہیں۔ یہاں کے خاص علم کون کون سے ہیں۔ لوگوں کے خیالات کیسے ہیں۔ کن کن مذہبوں کے ماننے والے یہاں رہتے ہیں۔ زبانیں کون کون سی ہیں۔ کہاں کہاں بولی جاتی ہیں خسرو نے یہ سب باتیں بڑے خوب صورت اور محبت بھرے انداز میں لکھی ہیں۔ نہ سپہر کے اس حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنے وطن سے کتنی محبت تھی اپنے ملک کو کتنا چاہتے تھے۔ وطن کی ہر چیز کے بارے میں کیسی معلومات تھی۔

قطب الدین مبارک شاہ ہی کے زمانے میں نثر میں بھی خسرو نے ایک بڑی زبردست کتاب ،،اعجاز خسروی،، لکھی۔ کتاب کا ہے کو ہے معلومات کا سمندر ہے۔ اس سے خسرو کی قابلیت، ذہانت اور معلومات کا اندازہ ہوتا ہے کسی دوسرے شاعر نے ایسی زبردست کتاب نہیں لکھی۔ جو دیکھتا ہے۔ حیران رہ جاتا ہے۔ پڑھتا ہے تو اور زیادہ حیران ہوتا ہے۔ ایک دو نہیں پانچ حصے ہیں۔

مبارک شاہ کے بعد خسرو غیاث الدین تغلق کے دربار میں رہے۔ اس کے نام پر تغلق نامہ لکھا۔ یہ مثنوی بھی تاریخی ہے۔ در اصل اس زمانے کے بادشاہ امیر خسرو کو اپنے تاج کا ہیرا سمجھتے تھے۔ ان سے اپنے نام پر کتابیں لکھواتے تھے۔ جانتے تھے کہ امیر کی کتابوں سے ان کا نام زندہ رہے گا۔ آنے والی نسلوں کو ان کے کارنامے معلوم ہوں گے۔ اس وجہ سے سب امیر کی بڑی قدر کرتے تھے سب کو معلوم ہے کہ بادشاہت آنی جانی ہے۔ آج بادشاہ

ہیں کل نہیں ہوں گے۔ کوئی نام لینے والا بھی نہیں ہوگا اگر کتابیں لکھوا لیں گے تو کم از کم نام زندہ رہ جائے گا۔ پھر یہ کہ امیر خسرو شاعر بھی لاجواب تھے اور نثر لکھنے میں بھی کمال رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کی اور زیادہ قدر ہوتی تھی۔

امیر خسرو بڑے شاعر تھے بڑے نثر نگار تھے بادشاہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وہ بہت سے شہزادوں اور بادشاہوں کے دربار میں رہے۔ انعام حاصل کیے مگر وہ خود ایک بڑے دربار کے فقیر تھے اور اسی پر فخر کرتے تھے ساری زندگی۔ اسی پر فخر کرتے رہے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کے بڑے چہیتے مرید اور دوست تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا، محبوب الٰہی کو دلّی والے پیار میں سلطان جی کہتے ہیں۔ مرید وہ آدمی ہے جو دینی اعتبار سے کسی کا شاگرد ہو۔ عقیدت اور محبت رکھتا ہو۔ سلطان جی اللّٰہ تعالیٰ کے ایک بڑے نیک بندے، اللّٰہ کے بندوں کو ہدایت دینے والے۔ اصلاح کرنے والے، صحیح راستہ دکھانے والے بزرگ تھے۔ بڑے زبردست عالم تھے۔ حافظ تھے۔ شعر و شاعری سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ دلّی میں ایک بستی غیاث پور تھی۔ وہیں دریائے جمنا کے کنارے حضرت کا جماعت خانہ تھا۔ ساری دلّی وہاں جاتی تھی۔ دلّی کیا سارے ملک سے لوگ ہدایت حاصل کرنے، دعا کرانے، نیکی اور سچائی کا سبق سیکھنے دوڑے آتے تھے۔ ہر وقت میلا سا لگا رہتا تھا۔ بادشاہ بھی دعا کے لیے کہلواتے تھے

امیر اُمرا، غریب غُربا، بوڑھے، جوان، عورت، مرد سب چلے آتے۔ حضرت کی وجہ سے سارے شہر میں نیکی کا چرچا ہوگیا تھا۔ لوگوں نے بُری باتوں سے توبہ کرلی تھی۔ بڑے بڑے بادشاہ آپ سے ملنا چاہتے تھے مگر آپ بادشاہوں کو اپنے یہاں آنے نہیں دیتے تھے نہ خود ان کے یہاں جاتے تھے۔ جلال الدین کو آپ سے ملنے کا بڑا شوق تھا کہلوایا کہ حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا "فقیر کے جماعت خانے کے دو دروازے ہیں۔ بادشاہ ایک درواز سے آئے گا اور یہ فقیر دوسرے دروازے سے باہر چلا جائے گا"

جلال الدین نے سوچا۔ چلو کسی دن بغیر اطلاع کے پہنچ جائیں۔ پھر تو ملنا ہی پڑے گا۔ یہ سوچ کر دل ہی دل میں دن طے کرلیا۔ امیر خسرو کو بُلایا۔ کہا "میرا ارادہ فلاں دن سلطان جی کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ ایسے تو ملتے نہیں۔ چُپ چُپاتے ایک دم پہنچ جاؤں تو ملنا پڑے گا" امیر خسرو یہ سن کر بڑے پریشان ہوئے۔ سوچتے رہے کیا کروں۔ کیا نہ کروں۔ اطلاع دیتا ہوں تو بادشاہ سے بُرا بنتا ہوں۔ اطلاع نہیں کرتا تو سلطان جی ناراض ہوں گے بہت سوچا۔ آخر یہ کیا کہ سلطان جی کو اطلاع دے دی! کہہ دیا کہ فلاں فلاں دن جلال الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ سلطان جی نے یہ سُنا تو فوراً دلّی سے باہر چلے گئے۔ جلال الدین کو خبر ہوئی۔ بڑا افسوس کیا۔ یہ سمجھ گیا کہ خسرو نے اطلاع دی ہوگی۔ انھیں بلایا۔ پوچھا "تم نے کیوں بتا دیا۔ میں نے یہ بات تم کو اس لیے تو نہیں بتائی تھی کہ

تم جاکر سلطان جی سے کہہ دو۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میں ناراض ہو سکتا ہوں۔ تمھیں سزا دے سکتا ہوں۔ خسرو نے بے دھڑک جواب دیا، آپ کے ناراض ہونے میں جان کا خطرہ ہے۔ جان چلی جائے کوئی ہرج نہیں۔ سلطان جی خفا ہوتے اور مجھ سے دریافت کرتے کہ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی تو میں کیا کہتا۔ ان کے ناراض ہونے میں ایمان ختم ہونے کا خطرہ تھا۔ ایمان جان سے بہت زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ جلال الدین، خسرو کا یہ جواب سن کر چپکا ہو رہا۔ نہ کوئی سزا دی نہ ناراض ہوا۔

امیر خسرو کو سلطان جی سے بہت محبت تھی۔ محبت کیا تھی جی جان سے فدا تھے۔ انھیں کو دیکھ کر جیتے تھے سلطان جی بھی خسرو کو بہت مانتے تھے۔ بڑا خیال کرتے تھے انھیں ”ترک اللہ“ یا صرف ”ترک“ کہتے تھے۔ امیر جب کوئی کتاب لکھتے۔ پہلے سلطان جی کی خدمت میں پیش کرتے۔ سلطان جی دیکھتے۔ خوش ہوتے۔ کہیں کہیں سے پڑھتے۔ کچھ اصلاح بھی کرتے۔ پھر فاتحہ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یہ کتاب سب کو پسند آئے۔ بے شمار لوگوں تک پہنچے اور ہمیشہ پڑھی جائے۔

سلطان جی رات کو عشا کی نماز کے بعد اپنے حجرے میں اکیلے بیٹھتے تھے۔ اس وقت کسی سے ملتے نہیں تھے مگر امیر خسرو اسی وقت آتے۔ مزے مزے کی باتیں کرتے سلطان جی کا دل بہلاتے۔ حضرت پوچھتے۔ ترک۔ کیا خبریں ہیں؟ امیر سارے شہر کا حال سنا دیتے۔ اللہ نے زبان

میں تاثیر دی تھی جو بات کہتے۔ بڑے سلیقے سے کہتے۔ بڑی دیر تک حال سُناتے رہتے۔ جو کتاب لکھتے اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد لکھتے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے۔ اس کے بعد سلطان جی کی تعریف لکھتے۔ نظم کی کتاب ہوتی تو نظم میں۔ نثر کی کتاب ہوتی تو نثر میں۔ دل سے لکھتے تھے۔ بڑی محبّت سے لکھتے تھے شاعری اور ادب کا پورا زور دکھاتے تھے۔ اس وجہ سے بڑا اثر ہوتا تھا۔ سلطان جی کے لیے جو شعر اور نظمیں انھوں نے لکھی ہیں اُنھیں پڑھ کر دل بہت خوش ہوتا ہے آج بھی یہ شعر اور نظمیں خوب پڑھی جاتی ہیں۔ جو لوگ فارسی جانتے ہیں وہ مطلب سمجھتے ہیں۔ جو فارسی نہیں جانتے محبّت کی خوشبو اُنھیں بھی ہر ہر لفظ سے محسوس ہوتی ہے۔ سچی محبّت میں بڑا اثر ہوتا ہے۔

امیر خسرو سلطان جی کے سامنے بڑے ادب سے مزے مزے کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک صبح حضرت جماعت خانے کی چھت پر بیٹھے تھے۔ سامنے جمنا دریا بہ رہا تھا۔ بے شمار ہندو مرد عورتیں دریا کنارے جمع تھیں۔ کوئی پوجا پاٹ کر رہا تھا کوئی دریا میں نہا رہا تھا۔ ہندوؤں میں جمنا اور گنگا دریا میں نہانا عبادت سمجھا جاتا ہے۔ سلطان جی یہ سب دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے آپ نے فرمایا "تُرک۔ ہر قوم کا ایک دین۔ ایک طریقہ۔ ایک قبلہ ہوتا ہے۔" خسرو نے حضرت کی طرف دیکھا۔ سلطان جی اس وقت جو ٹوپی پہنے تھے وہ کسی قدر ٹیڑھی تھی خسرو نے ایک

نظر دیکھا۔ پھر فوراً ایک شعر پڑھا "ہر قوم کا دین۔ راستہ اور قبلہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی ٹیڑھی ٹوپی پہننے والے کو دیکھ کر اپنا قبلہ سیدھا کر لیا ہے" یہ شعر بہت مشہور ہوا۔ آج بھی بہت لوگوں کو یاد ہے اور موقعے موقعے سے پڑھا جاتا ہے۔

سلطان جی کے دوسرے مرید دوست اور جاننے والے جو بات حضرت کے سامنے کہتے ہوئے گھبراتے تھے امیر خسرو وہ بات بے تکلفی سے کہہ دیتے تھے۔ سلطان خوشی خوشی سن لیتے تھے۔ سلطان جی کے ایک مُرید تھے۔ شیخ برہان الدین غریب۔ بڑے نیک بزرگ تھے بوڑھے بھی تھے اور بہت کمزور بھی ہو گئے تھے اپنے گھر پر یہ کرتے کہ فرش پر بیٹھتے تو اپنی کملی کو دُہرا کر لیتے تاکہ بوڑھی ہڈیوں میں فرش نہ چبھے۔ تکلیف نہ ہو۔ دوست دشمن سبھی کے ہوتے تھے کسی نے سلطان جی سے جالگائی کہ شیخ برہان الدین بہت بڑے شیخ بن گئے ہیں۔ اپنے گھر پر کپڑا دُہرا کر کے ٹھاٹ سے بیٹھتے ہیں تاکہ لوگ انھیں بڑا بزرگ سمجھیں۔ سلطان جی کو یہ شکایت سُن کر بہت رنج ہوا۔ آپ شیخ برہان الدین سے ناراض ہو گئے۔ سارے مریدوں اور دوستوں نے معاف کر دینے کے لیے کہا مگر سلطان جی نے کسی کی بات نہیں مانی۔ آخر کار سب نے صلاح کی۔ کیا کیا جائے سوچتے سوچتے یہ سمجھ میں آیا کہ امیر خسرو سے کہا جائے سلطان جی ان کی بات نہیں ٹالیں گے۔ شیخ برہان الدین کا بُرا حال تھا۔ بیچارے دن رات روتے رہتے تھے

بڑے پریشان تھے زندگی سے نا امید ہو گئے تھے۔

امیر خسرو نے یہ کیا کہ اپنے سر کی دستار اتار کر گردن میں ڈالی۔ اس زمانے میں مجرموں کی دستار ان کی گردن میں ڈال دی جاتی تھی۔ خسرو نے دستار گلے میں ڈالی، سلطان جی کے سامنے چپ چاپ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے پوچھا "ترک! کیا بات ہے" خسرو نے بڑے ادب سے کہا "برہان الدین کا قصور معاف کر دیجیے۔ وہ نہ بزرگ بنے ہیں نہ شیخ۔ بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے اپنی کملی کو دُہرا کر کے بیٹھتے ہیں وہ آپ کے بہت معمولی خادم ہیں" سلطان جی خوش ہو گئے۔ خسرو نے بڑی محبت اور سلیقے سے سفارش کی تھی۔ پھر سلطان جی نے شیخ برہان الدین کو بلوایا اور انھیں معاف کر دیا۔ امیر خسرو کی بات مان لی گئی۔ اگر امیر خسرو یہ ترکیب نہ کرتے تو شیخ برہان الدین کو معافی نہ ملتی۔ بعد میں شیخ برہان الدینؒ سلطان جی کے حکم پر دکن چلے گئے تھے وہاں ان کے نام پر ایک شہر بھی آباد ہوا جس کا نام برہان پور ہے۔

سلطان جی کبھی کبھی کہتے تھے کہ میں بعض اوقات سب سے تنگ آجاتا ہوں۔ اپنے آپ سے بھی۔ لیکن خسرو سے کبھی تنگ نہیں ہوتا۔ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ ہمارے لیے کیا لائے ہو تو میں جواب میں خسرو کا نام لوں گا۔ کبھی کبھی سلطان جی دعا فرماتے۔ "یا الٰہی اس ترک کے دل میں بھڑکی ہوئی آگ کے طفیل مجھے بخش دے" اس دعا سے

معلوم ہوتا ہے کہ سلطان جی کے دل میں امیر خسرو کا کیا مرتبہ اور کیا حیثیت تھی۔ کتنی محبّت کرتے تھے۔ کتنا چاہتے تھے۔

امیر خسرو کی زندگی میں سلطان جی کا اثر نظر آتا ہے دن میں دربار داری کرتے۔ رات کو سلطان جی کے یہاں حاضر ہوتے۔ ان کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ خسرو رات کو تہجّد کی نماز کے وقت قرآن شریف کے سات سپاروں کی تلاو کرتے تھے۔ صبح کے وقت آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوتیں۔ روتے رہتے۔ ایک دن سلطان جی نے دریافت کیا "ترک! اللہ تعالیٰ کی راہ میں تمھاری کیا مشغولیّت ہے۔" امیر نے کہا "حضور رات آخر ہوتی ہے تو رونا آتا رہتا ہے" سلطان جی نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اب کچھ کچھ اثر ظاہر ہونے لگا ہے" خسرو کی مصروف زندگی کو دیکھیے اور پھر ان کی عبادت پر غور کیجیے۔ بڑا تعجّب ہوتا ہے۔ یہ واقعی بہت بڑے اور محبّت میں ڈوبے ہوئے لوگ تھے۔ امیر خسرو نے سلطان جی کی بات چیت کو بھی ایک کتاب میں لکھ دیا ہے۔ افضل الفوائد اس کا نام رکھا ہے (افضل الفوائد۔ سب سے بہتر فائدہ)

خسرو برّصغیر میں فارسی کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ مثنویاں لاجواب۔ قصیدے بے مثال اور غزلیں ایسی کہ پڑھنے والے پڑھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں غزلوں کے ایک دو نہیں پورے پانچ دیوان ہیں۔ نام ایسے کمال سے رکھے ہیں کہ ان کے لکھے جانے کا زمانہ خود بخود

معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس دیوان میں کس عمر کا کلام ہے۔ ناموں کا ایسا کمال کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتا۔

امیر خسرو کے زمانے میں اردو زبان اپنے بچپن میں تھی۔ بول چال تک محدود تھی۔ اس زمانے میں اسے ہندوی کہتے تھے۔ امیر خسرو ہندوی کے شاعر بھی تھے ان کے فارسی کلام میں بھی ہندوی کے بہت سے لفظ ملتے ہیں۔ فارسی کے بعض شعر ایسے ہیں جن کے آخر میں ہندوی لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خسرو کو عجیب پری دماغ دیا تھا۔ سیکڑوں پہیلیوں، کہہ مکرنیوں، دوسخنوں، ڈھکوسلوں، انمل، شادی بیاہ اور ساون کے گیتوں میں ان کا نام آتا ہے ”چار مہینے بہت چلے اور آٹھ مہینے تھوڑی — امیر خسرو یوں کہیں بتا پہیلی موری“۔ ”بیسیوں کا سر کاٹ لیا۔ نامارا ناخون کیا“ ”ترکی سوچی پائی نا۔ فارسی بولی آئی نا۔ ہندی بولی آرسی آئے۔ منہ دیکھے جو اسے بتائے“ یہ پہیلیاں ہیں۔ ”وہ آئے تب شادی ہو۔ میٹھے لاگے اس کے بول۔ کیا سکھی ساجن۔ نا سکھی ڈھول۔“ یہ کہہ مکرنی ہے ”انار کیوں نہ چکھا۔ وزیر کیوں نہ رکھا۔ دانا نہ تھا“ دو سوالوں کا ایک جواب۔ یہ دو سخنہ ہے۔ ”بی بھٹیاری کھانا پکاؤگی یا ننگا ہی سور ہوں“ یہ ڈھکوسلا ہے۔ ”کھیر پکائی جتن سے۔ چرخا دیا جلا۔ آیا کتا کھا گیا۔ تو بیٹھی ڈھول بجا۔“ یہ انمل ہے۔

”کاہے کو بیاہی بدیس“ شادیوں میں دلھن کی رخصت

پر گایا جاتا ہے۔ امّاں میرے باوا کو بھیجو کہ ساون آیا ری“ ساون کا گیت ہے۔ ایسی غزل بھی ہے جس کا ایک مصرع فارسی کا ہے۔ دوسرا ہندوی میں ہے۔ بے شمار چیزیں ہیں جو امیر خسرو کے نام سے مشہور ہیں۔ بچّے سب بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ پہیلیاں بوجھی جاتی ہیں تو امیر خسرو یاد آتے ہیں۔ گیت مزے لے کر گائے جاتے ہیں۔ ڈھولک بجتی ہے۔ بیاہ شادی کا موقع ہوتا ہے تو امیر خسرو یاد آتے ہیں۔ لڑکیاں بالیاں جھولا جھولتی جاتی ہیں۔ پینگ لیتی ہیں۔ تان اڑاتی ہیں تو خسرو یاد آتے ہیں۔ اس حساب سے دیکھیے تو خسرو ہر عمر کے انسان کے ساتھی ہیں۔ بچّوں میں بچّے ہیں۔ جوانوں میں جوان ہیں۔ بوڑھوں میں بوڑھے ہیں۔ ان کا کلام سب کے لیے ہے۔ بچّوں کے لیے ایک لغت بھی نظم میں لکھی ہے۔ خالق باری نام ہے۔ اس میں فارسی لفظوں کے ہندی معنی لکھے ہیں۔ بڑے مزے کی نظم ہے پہلے زمانے میں سارے مکتبوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ بچے زبانی یاد کر لیتے تھے اس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

خالق باری سرجن ہار   واحد ایک بدا کرتار

ہندوی زبان میں شعر کہنے کی وجہ سے امیر خسرو کو اردو کا پہلا شاعر بھی سمجھا جاتا ہے۔

زبان کے عالم اور تحقیق کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور گیت جو امیر خسرو کے نام سے مشہور ہیں۔ در اصل اُن کے نہیں ہیں۔ وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں زبان اتنی صاف نہیں ہوئی تھی۔ نہ زبان کا

یہ انداز تھا۔ بات دل کو لگنے والی ہے۔ سمجھ میں بھی آتی
مگر اب امیر خسرو کے نام سے ان چیزوں کی اتنی شہرت ہو
ہے کہ تھوڑے سے پڑھے لکھے اور عالموں کے سوا ہر شخص
انھیں امیر خسرو کا ہی کلام سمجھتا ہے۔ اسے بھی اللہ تعا
کی دین سمجھنا چاہیے کہ اس طرح امیر کا نام بچّے بچّے
زبان پر جاری ہوگیا۔

امیر خسرو میں ایک صفت اور بھی تھی۔ وہ تو لا جواب
انسان تھے۔ یہ صفت تھی گانا بجانا۔ گانے کے بہت بڑے
ماہر تھے۔ گاتے بھی تھے۔ ساز بھی بجاتے تھے۔ حضرت سلط
جی کی محفل میں بھی کبھی کبھی غزل گاتے تھے۔ سب جھو
لگتے تھے۔ نئی نئی راگنیاں اور راگ بھی بناتے رہتے تھے ا
کی بنائی ہوئی راگنیاں اور راگ آج بھی گائے جاتے ہیں
برّصغیر میں جن باکمال گانے والوں نے گانے کے فن کو
پروان چڑھایا ان میں خسرو کا نام بڑا مشہور ہے۔ گانے
انھیں بڑی عزّت سے یاد کرتے ہیں انھوں نے اپ
بنائے ہوئے راگ راگنیوں کے نام بھی بڑے خوب صورت
رکھّے ہیں۔ قول۔ قلبانہ۔ ہوا۔ مدید۔ سازگری۔ ایمن۔ عشّا
ترانہ۔ نروٹ۔ سب کیسے اچھّے نام ہیں۔ گانے والے انھیں
ور نایک خسرو" کہتے ہیں۔ نایک وہ گانے والا جو نئے نئے
راگ اور راگنیاں ایجاد کرے اور گانے بجانے کو نیا انداز
دے۔

جب حضرت سلطان جی اللہ کو پیارے ہوئے تو خسرو
دلّی میں نہیں تھے۔ بنگال گئے ہوئے تھے۔ خبر ملی تو دنی

نکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ بہت بے چین ہوئے۔ روتے پیٹتے
لی آئے۔ سلطان جی کے مزار پر گئے۔ بہت روئے۔ اُس
کے بعد کوئی چھ مہینے زندہ رہے۔ تہتّر۔ چوہتّر برس کی عمر
وئی تھی کہ رخصت ہوگئے۔ زندگی میں جس طرح سلطان
ی کی محبّت اور خدمت میں بے مثال تھے۔ مرنے کے
عد بھی وہی انداز قائم رہا۔ سلطان جی کے مزار کے قریب
ی دفن ہوئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کوئی حضرت سلطان جی
کے مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتا ہے وہ پہلے امیر خسرو کے مزار پر
اتا ہے۔ وہاں فاتحہ پڑھتا ہے پھر سلطان جی کے مزار پر
اضر ہوتا ہے۔ عقیدت ہو تو ایسی کہ سات سو برس گزر گئے
ر اثر آج بھی ظاہر ہے۔

امیر خسرو زبردست انسان تھے۔ دماغ نہیں تھا عجائب
انہ تھا۔ کسی بات میں بند نہیں۔ بزرگوں کی نظر میں عزّت
ر محبّت والے۔ سلطان جی کتنا چاہتے تھے۔ کتنا خیال
رتے تھے۔ ان کے لیے دعا کرتے رہتے تھے۔ بادشاہوں
ے دربار کی رونق تھے۔ کیسے کیسے زبردست بادشاہوں کے
بار میں رہے۔ کتنے قریب رہے۔ لڑائیوں میں شریک
ئے۔ ان کا حال احوال لکھا۔ بادشاہ ان پر کتنا بھروسا کرتے
ھے۔ عام زندگی میں زندہ دل۔ سب کو ہنسانے والے خوش
کھنے والے۔ ماں پر جان چھڑکنے والے۔ دوستوں کے دوست
اج کے اعتبار سے درویش۔ شاعر ایسے کہ نام اور کلام رہتی
نیا تک زندہ رہے گا۔ کلام برّصغیر میں چھپا۔ بار بار چھپا
ران میں چھپا۔ روس میں چھپا۔ ۱۹۷۵ء میں ساری دنیا

میں ان کا سات سو سالہ جشن منایا گیا ان کے بارے میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ شائع ہوئیں۔ جگہ جگہ ان کی یاد میں کانفرنسیں ہوئی۔ ہندستان اور پاکستان میں ان کی بہت سی کتابیں اس جشن کے موقعے پر بڑے شان دار طریقے سے شائع ہوئیں۔ خسرو اور ان کی شاعری کو سمجھنے کی نئی نئی کوششیں ہوئیں۔

امیر خسرو نے اپنے زمانے کا تاریخی حال اس طرح لکھا ہے کہ تاریخ لکھنے والے آج بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ایک انگریز پروفیسر نے برّصغیر کے مسلمان تاریخ لکھنے والوں کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں امیر خسرو کو بھی ایک بڑے تاریخ نویس کی حیثیت سے جانچا اور پرکھا گیا ہے۔ امریکہ میں امیر خسرو کے نام پر ایک سوسائٹی قائم کی گئی ہے۔ جو ان کے کاموں کو سمجھانے کے لیے کانفرنسیں کرتی رہتی ہے۔ ازبکستان اور تاجکستان میں بھی سوسائٹیاں قائم ہیں۔ وہاں بھی خسرو کا کلام بڑے شوق سے پڑھا جا ہے۔ ہر طرف دھوم ہے۔ ہر طرف خسرو ہی خسرو۔

امیر خسرو وہ انسان تھے جن کے ایک چہرے میں بے شمار چہرے نظر آتے ہیں۔ جدھر سے دیکھ ایک نیا انداز، نئی چھب، نئی صورت، صوفی درو شاعر، تاریخ لکھنے والے، اردو زبان کو ترقی دی والے، اردو کے پہلے شاعر۔ کبھی معصوم بچّے کبھی شہ زور نوجوان۔ کبھی سفید بالوں والے پاکیزہ بوڑھے ادب سے ہاتھ باندھے سلطان جی کی مجلس میں

کھڑے ہیں۔ شاہی دربار میں قصیدہ سنا رہے ہیں صلاح دے رہے ہیں۔ لڑائیوں کا حال لکھ رہے ہیں۔ بچّوں کو ہنسا رہے ہیں۔ محفلوں میں گا رہے ہیں۔ نئے نئے گانے بنا رہے ہیں۔ تہجّد کے وقت بیٹھے قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ صبح ہونے کو آئی ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھرے اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں۔ کیا انسان تھے۔ کیسے انسان تھے۔ کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ ہیں۔ کل بھی زندہ رہیں گے۔

خوب صورت گیٹ اپ کے ساتھ مکتبہ پیام تعلیم کی دیدہ زیب کتابیں

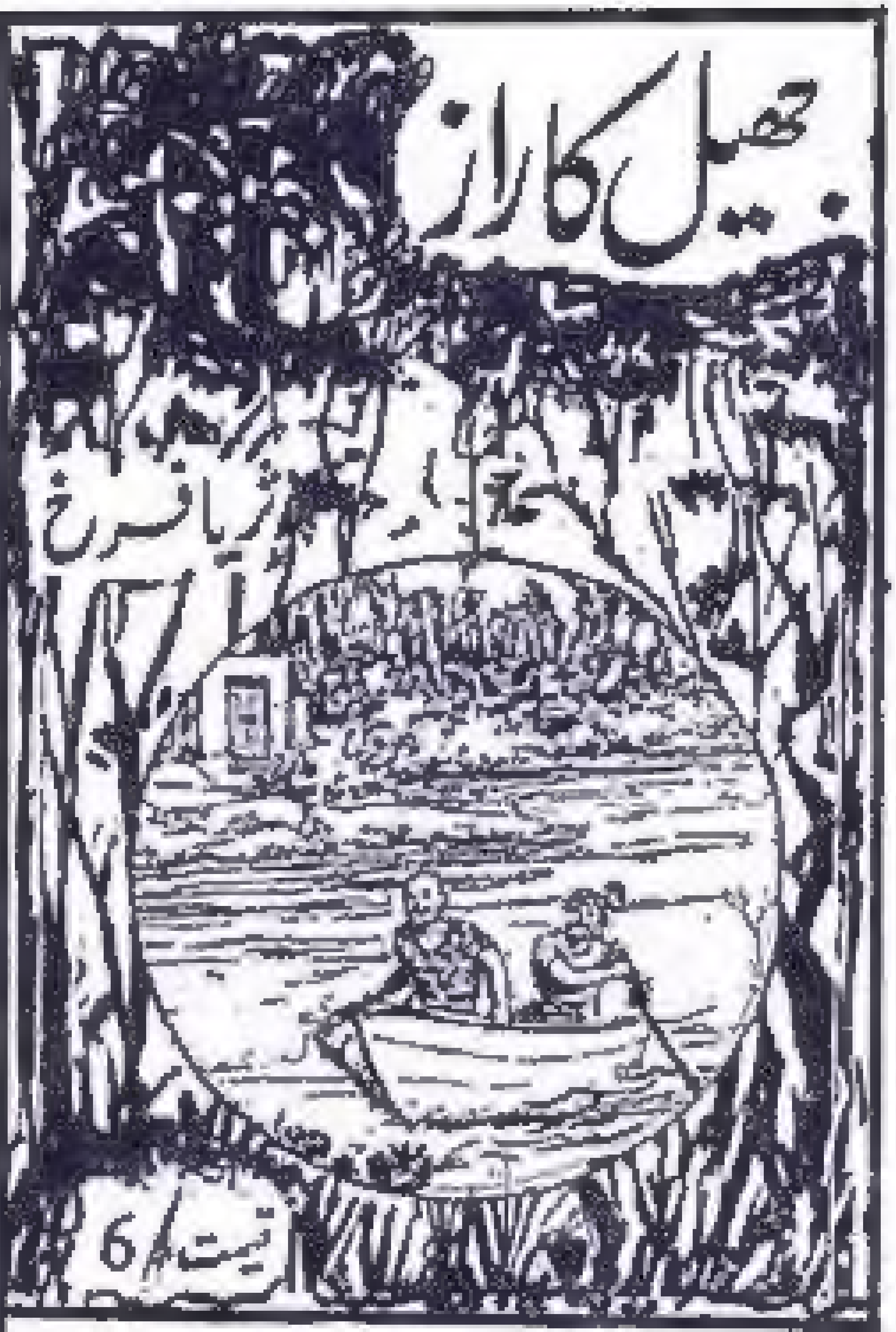
جھیل کا راز
زکیہ فرخ
قیمت 6/

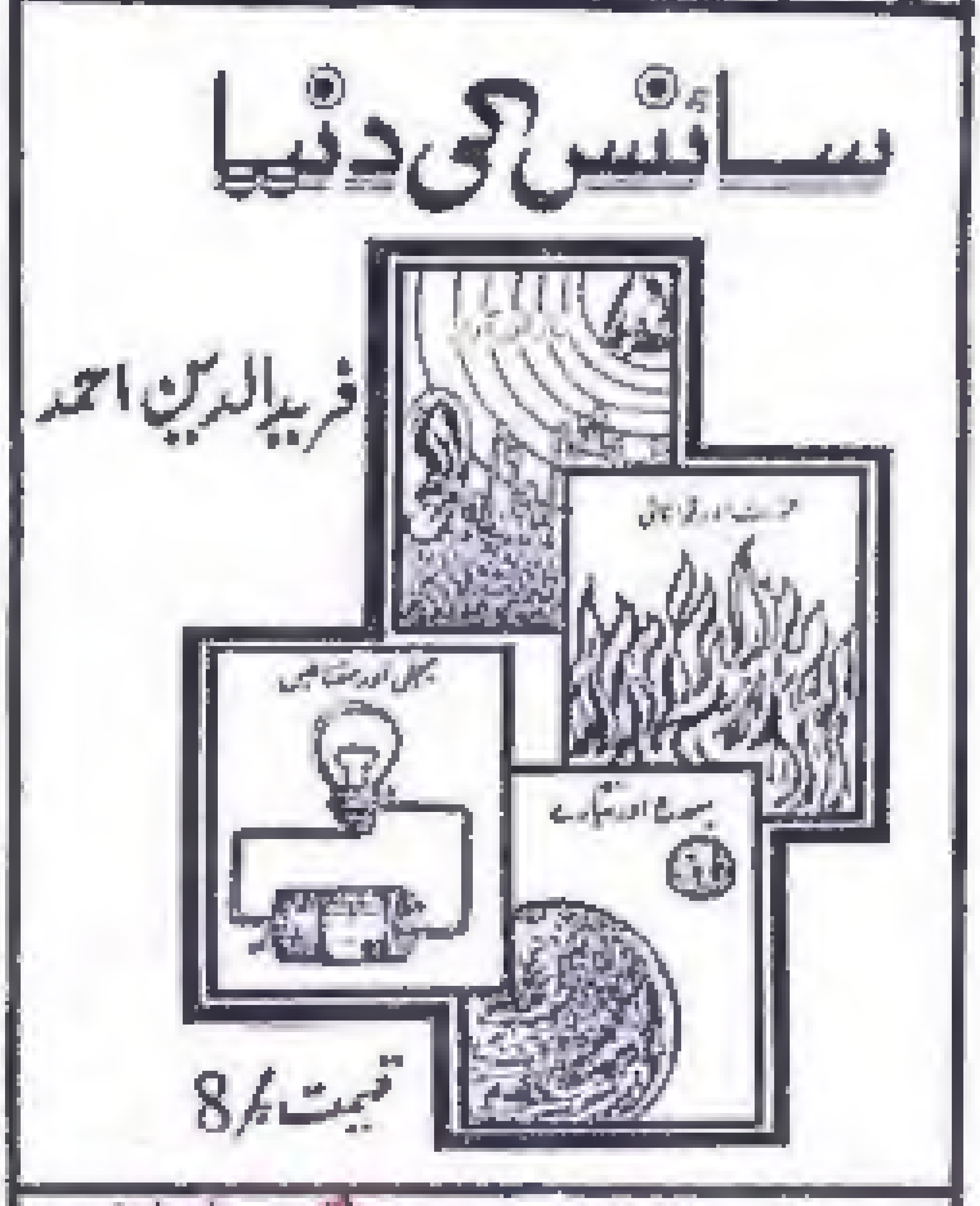
سائنس کی دنیا
فریدالدین احمد
قیمت 8/

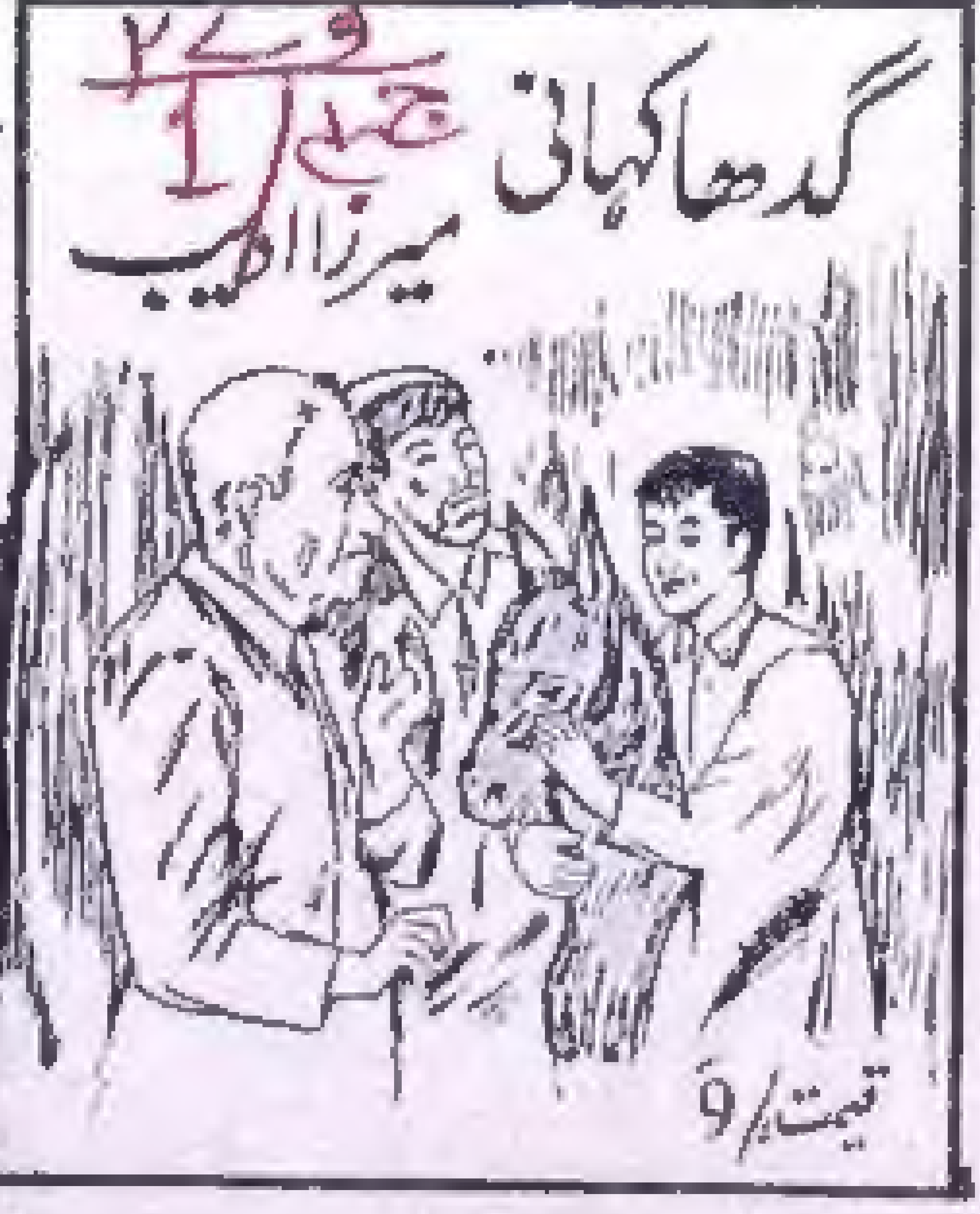
گدھا کہانی
میرزا ادیب
حصے ۲
1
قیمت 9/

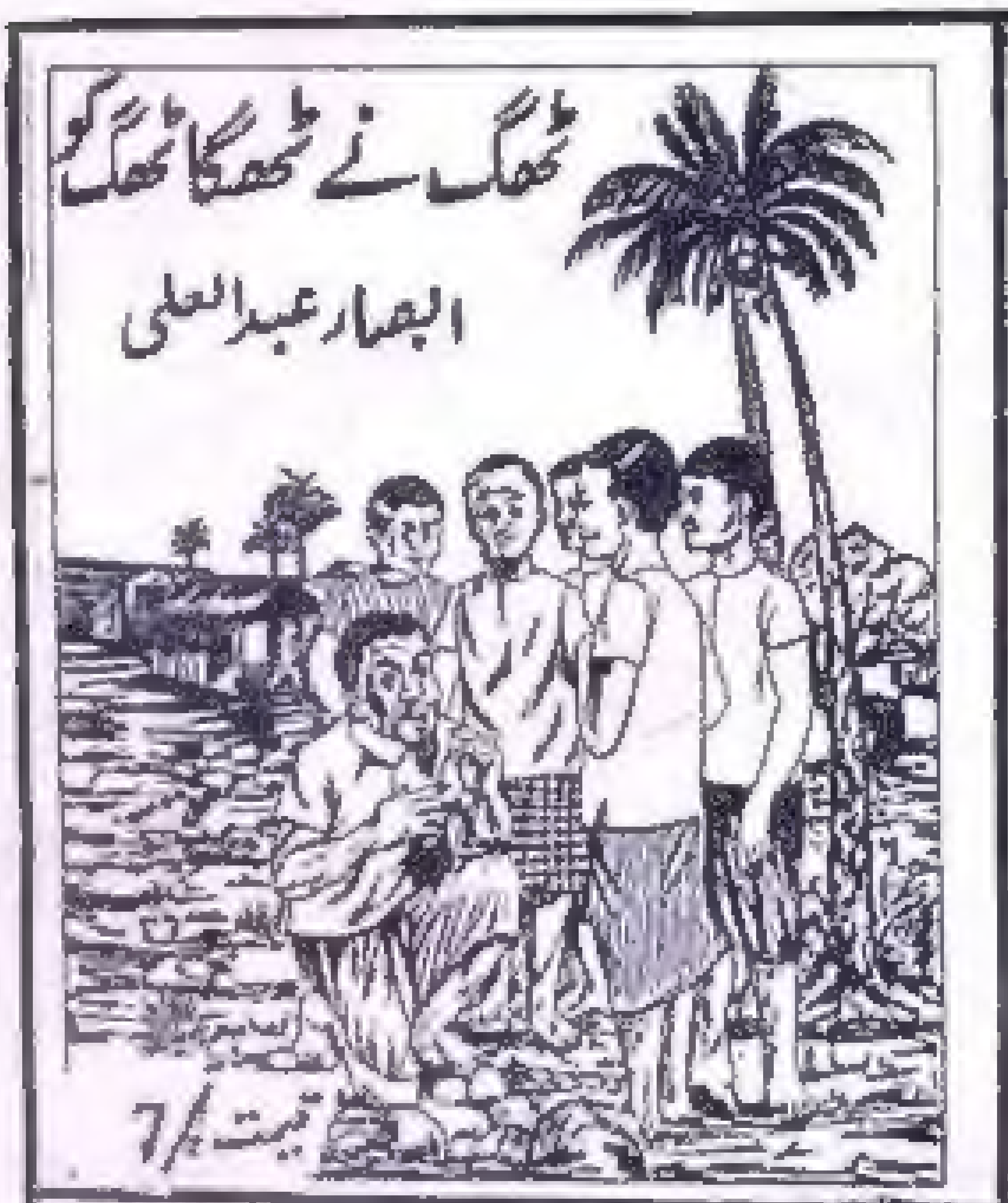
ٹھگ نے ٹھگا ٹھگ کو
ابصار عبدالعلی
قیمت 7/

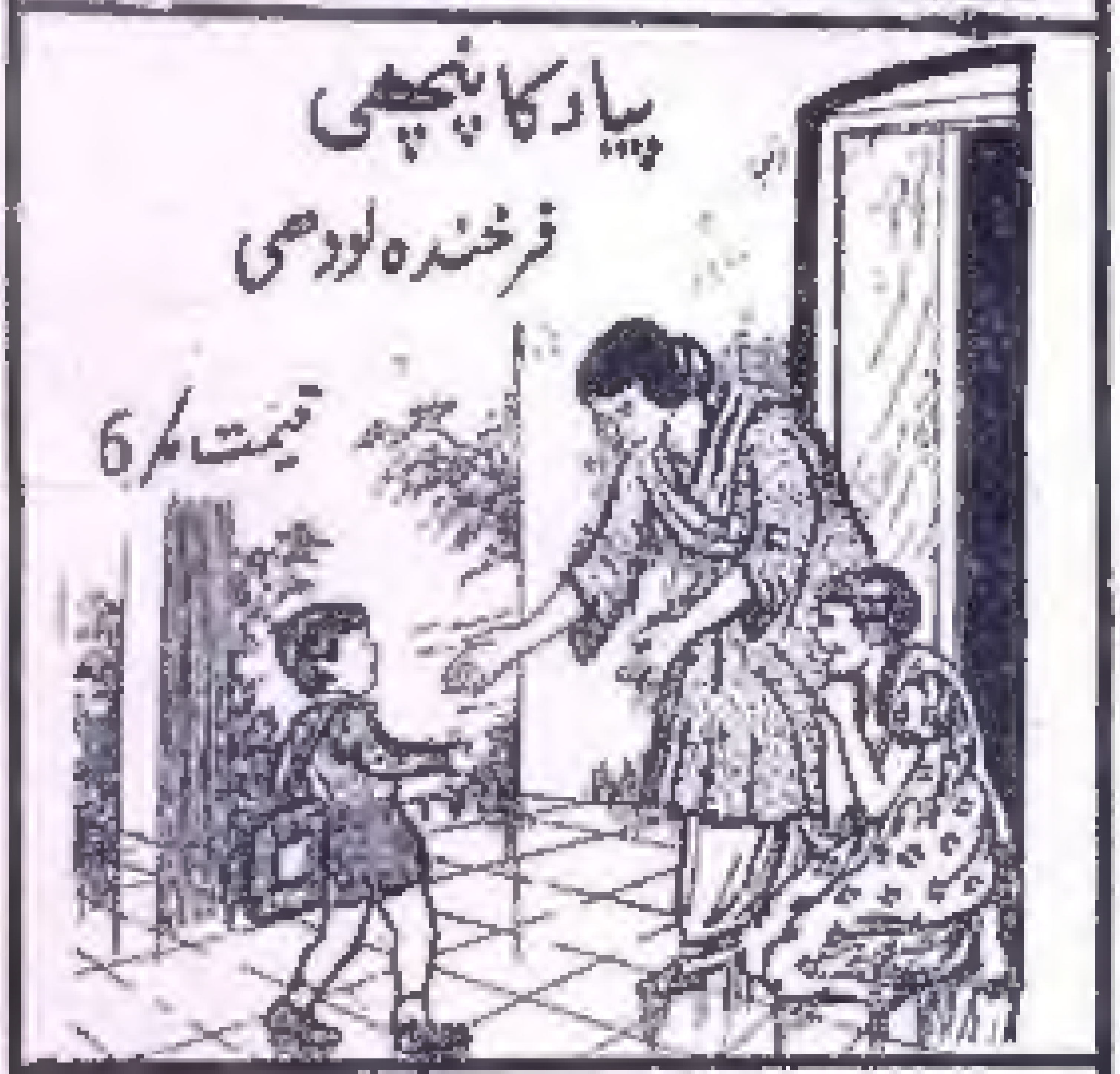
پیار کا پنچھی
فرخندہ لودھی
قیمت 6/

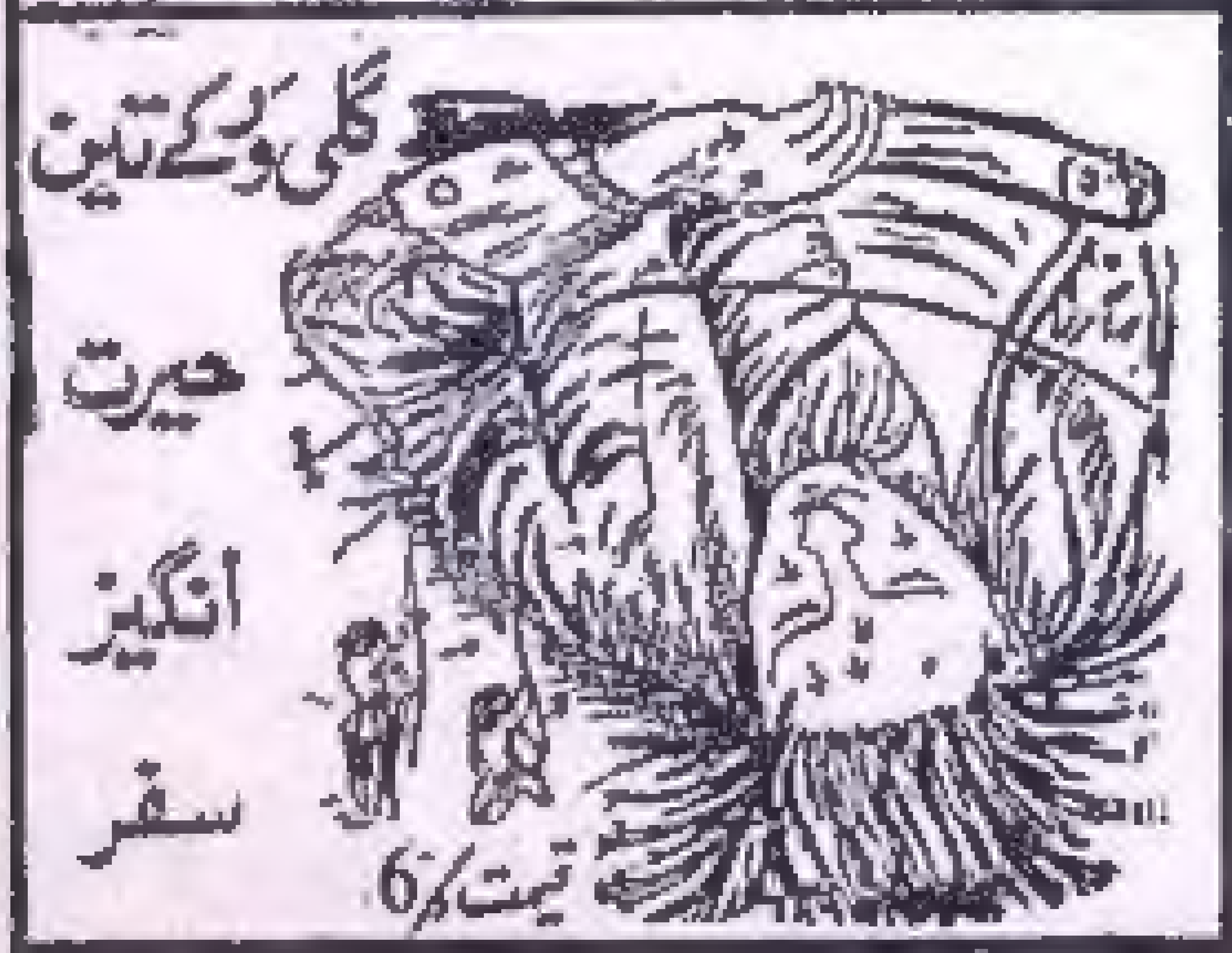
گلیور کے تین
حیرت
انگیز
سفر
قیمت 6/

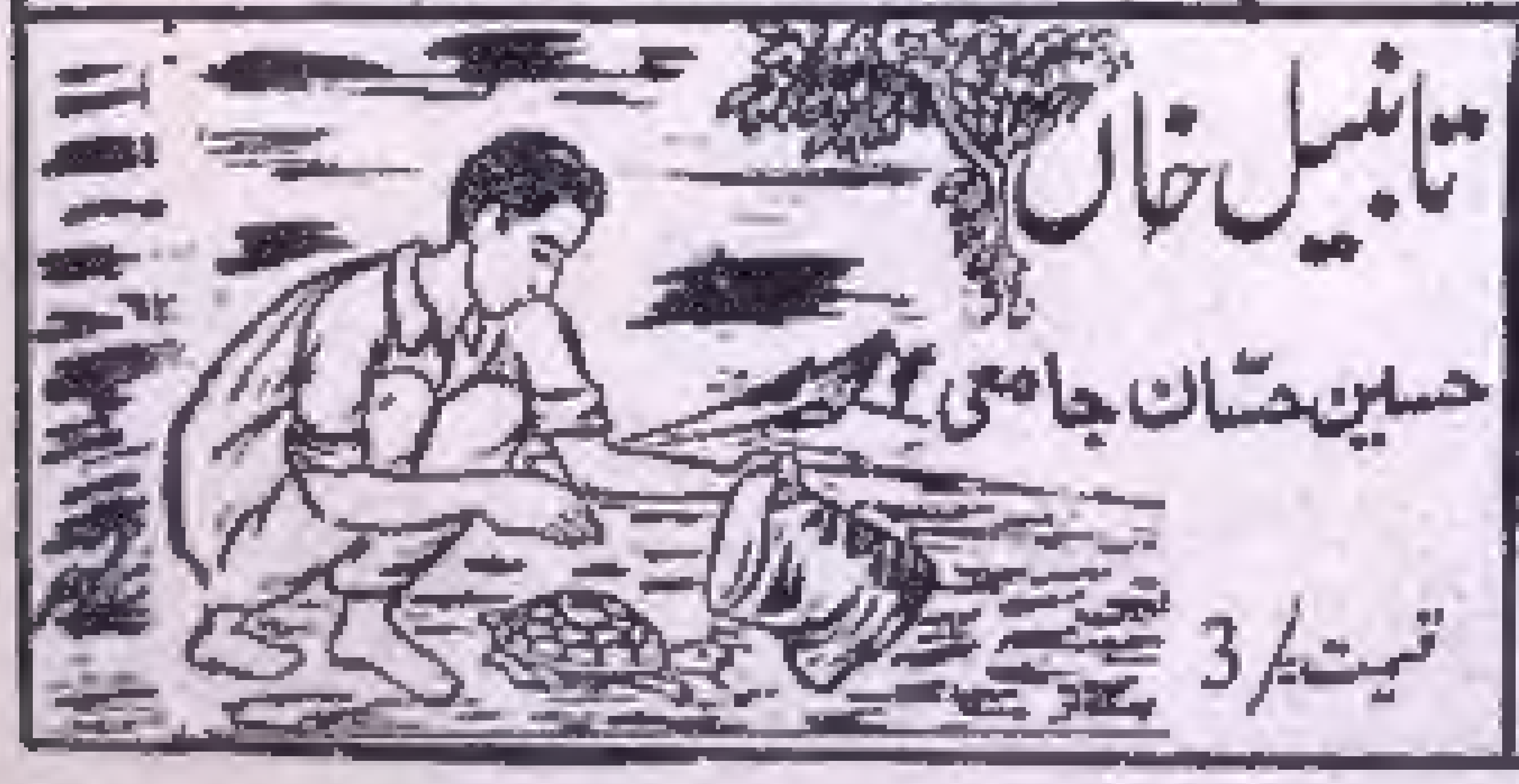
تانبیل خاں
حسین حسّان جامعی
قیمت 3/

بچوں کا
پرانا ساتھی

ماهنامه

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

۱۹۲۶ء
سے
شائع
ہورہا
ہے

- ○ دلچسپ، حیرت انگیز اور پُر اسرار کہانیاں
- ○ سائنس اور مذہبی معلومات
- ○ کارٹون، لطیفے اور مزاحیہ مضامین
- ○ تاریخ، جغرافیہ
- ○ شہریت کے آداب

پر دلچسپ انداز میں
بہترین مواد پیش کرتا ہے۔

ماهنامه پیامِ تعلیم

جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵